

شرح :- بیشک میں جانتا ہوں کہ تُو میرے خط کا جواب کبھی نہ لکھے گا۔ ایسی امید قیامت تک ممکن نہیں، لیکن میں کیا کروں۔ قدرت نے میری فطرت میں ایسا ذوق بھر دیا ہے، جو مسلسل تحریر و نگارش کی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ یہ ذوق مجھے چین نہیں لینے دیتا۔ سارا ستم اسی نے ڈھا رکھا ہے۔ اس کے ہاتھوں مظلوم بھی ہوں اور مجبور بھی، جواب خط نہ آنے کا یقین ہی سہی، مگر لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

بعض اصحاب نے فرمایا کہ یہ مضمون میر حسن نے بھی خوب باندھا ہے !

گرچہ دل کو ہے یقین یہ، خط نہیں پڑھنے کا وہ
پر تقاضا شوق کا لکھنے سے کب رکھتا ہے باز

یعنی یہ تو یقین ہے کہ محبوب میرا خط ہرگز نہیں پڑھے گا، لیکن عشق کا تقاضا مجھے لکھنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔

میر حسن اُردو کے مشہور استاد ہیں، مگر اس شعر میں انہوں نے ایسی بات کہ دی ہے جسے فطرت انسانی سے کوئی مناسبت نہیں۔ محبوب عاشق سے راضی ہو یا ناراض، لیکن جو کچھ لکھا ہو اس کے سامنے آجائے گا، اسے وہ ضرور پڑھے گا۔ نہ پڑھنا خلاف تقاضائے فطرت ہے۔ مرزا نے یہ نہیں کہا کہ محبوب خط نہیں پڑھے گا، صرف یہ کہا ہے کہ جواب نہیں دے گا۔ یہی محبوب کی عادت کا صیح خاکہ ہے، اس لیے مرزا کا شعر میر حسن کے شعر سے بدرجہا بہتر ہے۔ مزید برآں مضمون کے محض جزوی اشتراک کو پورے شعر کا اشتراک قرار دے لینا ذوق کا کوئی اچھا ثبوت نہیں۔

مبادا کسی کو خیال ہو کہ غالب نے بھی ایک جگہ ایسا مضمون باندھا ہے، جو میر حسن کے مضمون سے قریب تر ہے۔ یعنی :

کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
قسم کھائی ہے اس کا فزنی کاغذ کے جملانے کی

ظاہر ہے کہ اس میں بھی مرزا نے کوئی بات طبعی حالات کے خلاف نہیں کہی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق ذوقِ خامہ فرسائی میں خط پر خط لکھتا تھا یہاں تک کہ محبوب تنگ